قانونِ وضعی میں قانون بین الممالک کا مقام

(اس کی تاریخ اور اس کے اہم اصول)

وضعی قانون کی اقسام

﴿۳۲۴﴾ قانونِ وضعی کی متعدد اقسام ہیں، جو اُن مختلف تعلقات کی انواع کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا اور منفرد ہیں، جنھیں برقرار رکھتے ہوئے قانونِ وضعی ان کے احکام بیان کرتا ہے۔(۱) چناں چہ یہ تعلقات اگر ایک متعین اجتماعی حالت کا اندرونی معاملہ ہے تو ملکی قانون ہی ان تعلقات کو منظم کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے، خواہ یہ تعلقات عام ہوں یا خاص۔

اگر تعلقات کا معاملہ دو ملکوں یا حکومتوں کے مابین ہو، یا مختلف قومیتوں کی حامل حکومتوں اور ممالک کے مابین ہو تو جو قانون ان علاقات و روابط کو قاعدہ و قانون کے تحت منظم کر کے ان کے احکام مقرر کرے، اسے قانون بین الممالک کہتے ہیں۔

یہ قانون عام ہوتا ہے جب حکومتوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں بحث کرتا ہے، اور جب مختلف قومیتوں کے افراد کے بارے میں بحث کرتا ہے تو خاص ہوتا ہے، (۲) چناں چہ عام قانون بین الممالک حکومتوں اور سلطنتوں کے ارتقاء ان کے زوال، ان کے حقوق اور حالتِ امن و جنگ میں ان کی ذمہ داریوں کو موضوع بحث بناتا ہے۔ اس کے برعکس خاص قانون بین الممالک کا حکومتوں اور سلطنتوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ وہ بلحاظِ شہریت و قومیت سلطنتوں کے افراد اور اُن کے حقوق پر بحث کرتا ہے، جب ان میں سے کوئی اپنے ملک کے علاوہ کسی دوسرے ملک اور ریاست میں داخل ہو، یا کسی دوسری ریاست کے کسی فرد کے ساتھ معاملہ

(۱) مقدمۃ القانون، استاذ احمد صفوت، ص ۷۶

(۲) ایضاً، ص ۷۶

کرے۔ اس میں قومیت وشہریت کے حصول اور عدمِ حصول کی کیفیت، ملکی قانون جس کی تنفیذ لازمی ہوتی ہے، اور مختلف ریاستوں کے افراد کے درمیان تنازعات پیدا ہونے کی صورت میں ان کے لیے خاص عدالتی نظام کا بیان شامل ہے۔ (۳)

قانون بین الممالک (عام اور خاص) کی تعریف

﴿۳۲۵﴾ عام قانون بین الممالک کی اگرچہ بہت سی تعریفات کی گئی ہیں، مگر وہ سب صرف اس لحاظ سے ایک دوسری سے مختلف ہیں کہ کسی میں کسی شرط کی زیادتی یا کمی ہے، یا کسی تعریف میں طوالت ہے یا اختصار، ورنہ ان سب کا محور و مرکز ان قواعد کو بیان کرنا ہے جن کی مخاطب ریاستیں ہیں۔ یہ قواعد افراد کے حقوق اور ان پر عائد ذمہ داریوں کی وضاحت کرتے ہیں اور ان کے درمیان قائم باہمی تعلقات کے احکام بیان کرتے ہیں۔

عام قانون بین الممالک کی بیان کردہ متعدد تعریفوں میں سے ایک کے مطابق:

''قانون بین الممالک ان قواعد کا مجموعہ ہے جو ریاستوں کے باہمی تعلقات کو منظم و منضبط کرتے ہیں، اور حالتِ صلح و جنگ میں ان میں سے ہر ایک کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہیں۔'' (۴)

یہ تعریف جیسا کہ محترم علی علی منصور کا خیال ہے، اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس نے نص کو ان مسائل تک محدود کر دیا ہے جو فقہاء اور شارحینِ قانون کے درمیان وجہ نزاع ہیں۔ ان میں سے ان قواعد کا ایک وصف یہ ہے کہ یہ ریاستوں کے لیے لازم ہیں اور یہ عرفی یا اتفاقی ہیں، نیز یہ قواعد وہی ریاستیں اپنا سکتی ہیں جو متمدن ہیں۔ (۵) غیر متمدن ریاستیں ان پر عمل پیرا نہیں ہوسکتیں۔

لیکن یہ تعریف اس لحاظ سے ادھوری ہے کہ اس نے ان ریاستی اداروں کو نظر انداز کر دیا ہے جو اس قانون کی مبادیات کی تنفیذ کی نگرانی پر مامور ہوتے ہیں، اس لیے قانون بین الممالک کے بعض ماہرین وفقہا نے اس کی یہ تعریف کی ہے: ''قانون بین الممالک وہ قانون

(۳) الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الدولی العام، استاذ علی علی منصور، ص ۸۱

(۴) ایضاً، ص ۸۰ (۵) ایضاً

ہے جو ایک لحاظ سے ان قواعد ومبادی پر مشتمل ہوتا ہے جو ریاستوں کے باہمی تعلقات کی ذمہ داریوں کے احکام پر مبنی ہوتا ہے۔ دوسرے لحاظ سے یہ قانون ہمارے سامنے بین الاقوامی نظم وضبط کے ساتھ خاص قواعد کی وضاحت کرتا ہے اور ان اداروں کے کردار کی کیفیت بیان کرتا ہے جو بین الاقوامی اجتماعیت کی مصلحت کے لیے وجود میں آتے ہیں، ان کے دائرہ اختیار اور ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے، مثلاً انجمن اقوام متحدہ (UNO) اور ورلڈ لیگ اسمبلی۔ (۶)

اسی طرح خاص قانون بین الممالک کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں، (۷) مگر وہ ساری کی ساری ایک دوسری سے اتنی ہی مختلف ہیں، جتنی عام قانون بین الممالک کی تعریفات باہم دگر مختلف ہیں، کیوں کہ ان سب کا مرکزی ومحوری نقطہ ان تعلقات کو بیان کرنا ہے، جو مختلف شہریت کے باشندوں کے درمیان پروان چڑھتے ہیں۔

اس قانون کی جامع تعریفات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ ان قواعد کا مجموعہ ہے، جنہیں عدالت شارع کے صریح، یا ضمنی حکم کے ساتھ ایک ریاست کی عدالتوں کے دوسری ریاست کی عدالتوں کے مقابلے میں اختصاص کی تحدید کے لیے نافذ کرتی ہے، جو ان افراد کے درمیان پیش آمدہ دیوانی مقدمات کا فیصلہ کرتی ہے جن میں بیرونی شہریت کے حامل افراد شریک ہوں اور ان فیصلوں میں اس قانون کا سہارا لیا جائے جس کے مطابق ان مقدمات کا فیصلہ کرنا لازم ہے۔ (۸)

یہ تعریف ان اہم عناصر کی جامع ہے جو خاص قانون بین الممالک کی غرض وغایت اور اپنے موضوع کے لحاظ سے دیگر قوانین کے ساتھ اس کے تعلق کے تعین کی وضاحت کے لیے لازمی اور ضروری ہیں۔ (۹)

قانون بین الممالک کی دونو اقسام (عام اور خاص) کے عناصر، یا اصول پر گفتگو کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون کی تاریخ کا کچھ حصہ بیان کر دیا جائے، اور بتایا جائے کہ یہ تاریخ کے مختلف ادوار سے گزرتا ہوا کس طرح ترقی کرکے دور حاضر میں اپنی موجودہ شکل تک پہنچا ہے؟

---

(۶) مبادی القانون الدولی العام، محمد حافظ غانم، ص ۲۳، القانون الدولی العام، حسن الجلبی، ص ۱۳

(۷) القانون الدولی الخاص، علی زینی، ص ۴۴

(۸) ایضاً، ص ۵۰ (۹) ایضاً

قانون بین الممالک کی تاریخ

﴿۳۲۶﴾ ۱۶۴۸ء میں طے پانے والے معاہدہ وسٹفالیا کو مغربی ممالک کے ماہرینِ قانون کے ہاں عام قانون بین الممالک کی نشأۃ جدیدہ کا آغاز قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے ماقبل دور کے بارے میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ ریاستوں اور ملکوں کے درمیان مختلف قسم کے تعلقات و معاہدات زمانۂ قدیم سے قائم تھے۔ یہ تعلقات بعض قواعد کے تابع تھے، قطع نظر ان قواعد کے مأخذ و مصدر کے یا اس امر کے کہ بسا اوقات یہ قواعد قبول نہ کیے گئے۔

تاریخ نے اپنے دامن میں عہدِ فراعنہ کا ایک معاہدہ صلح محفوظ کیا ہے، جو رعمیس ثانی فرعونِ مصر اور ایشیائے کوچک کے امیر کے درمیان دونوں حکومتوں میں تباہ کن جنگ کے بعد ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے، اس معاہدے کی شرائط ہی وہ قدیم ترین بین الممالک قواعد ہوں، جن کی پابندی حکومتیں اپنے بعض تعلقات و معاہدات میں کرتی ہیں۔ (۱۰)

﴿۳۲۷﴾ افریقی ممالک ۱۴۶ق۔م میں رومی سلطنت میں شامل ہونے سے قبل بہت سے چھوٹے چھوٹے شہروں یا ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان ریاستوں میں سے ہر ایک اپنی آزادی اور مستقل حیثیت کے لیے کوشاں رہتی تھی۔ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے باہمی تعلقات رشتہ و قرابت کے تعلق، زبان و قومیت، دینی مراسم کی ہم آہنگی اور مشترک معاشی مفادات کی وجہ سے برابر کی سطح پر قائم تھے۔ (۱۱)

ان کے ہاں بعض ایسے قواعد وضوابط مقرر تھے جن کی پابندی یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں، یا شہر حالتِ صلح و جنگ میں کیا کرتے تھے۔

جہاں تک ان چھوٹی چھوٹی افریقی ریاستوں کے دیگر ریاستوں کے ساتھ باہمی تعلقات کا معاملہ ہے تو وہ محض جنگوں اور افراد انسانی کو غلام بنانے تک محدود تھے۔ ان جنگوں میں کسی قاعدے یا ضابطے کی پابندی نہ کی جاتی تھی، یہ جنگیں حریف پر ظلم و استبداد میں مشہور تھیں۔ انسانی شرافت کو تاراج کرنا ان کا وطیرہ تھا، کیوں کہ افریقی اپنے آپ کو ایک برتر اور ممتاز قوم سمجھتے

(۱۰) اس معاہدے کی اصل عبارت کے لیے دیکھیے۔ مصر القدیمۃ، سلیم حسن، ص ۲۸۷، مادہ ۱۹

(۱۱) القانون الدولی العام، سامی جنینہ، ص ۵۳، القانون الدولی العام، علی ماہر، ص ۵۴

تھے۔ ان کے علاوہ بربر قبائل تھے، جنھیں افریقی کسی معاہدے یا اخلاقی ضابطے کی پروا کیے بغیر ظلم اور جنگ کے ذریعے غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا اپنے لیے جائز سمجھتے تھے۔(۱۲)

جب پہلی مغربی رومی سلطنت نے چھوٹی چھوٹی افریقی ریاستوں کا خاتمہ کر دیا اور یورپ، ایشیاء اور افریقہ کے آباد خطوں کا بہت بڑا حصہ اس سلطنت کے زیر نگیں آ گیا تو قرابت داری کی بنیاد پر ان تعلقات کے قیام کا تصور ماند پڑ گیا اور اس کی جگہ ایک دوسرے تصور نے لے لی۔ یہ رئیس اعلیٰ کے وجود کی اساس پر ان تعلقات کے قیام کا تصور تھا جس کی حیثیت فیصلہ کن ہو۔(۱۳)

رومی سلطنت کا قانون اس کے زیر نگین قبائل کے درمیان فرق و امتیاز پر مبنی تھا۔ یہ قبائل سلطنت کے سامنے جھکنے کے لیے تیار نہ تھے، سلطنت کے رومی باشندوں کے لیے ایک خاص قانون تھا جو ان لوگوں کو وہ حقوق و امتیازات عطا کرتا تھا جو رومی سلطنت کے زیر نگیں دوسرے قبائل کو حاصل نہ تھے۔(۱۴)

رومی سلطنت کی یہ غالب فکر پوری دنیا پر چھا گئی۔ اس کے نتیجے میں ہولناک قتل گاہیں وجود میں آئیں اور تباہ کن جنگیں برپا ہوئیں۔ ان کا سامنا ان ممالک اور ریاستوں کو کرنا پڑا جو رومی سلطنت کی عمل داری میں نہیں آنا چاہتی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس شہنشاہیت کے ماہرینِ قانون ناکامی کی صورت میں قانون بین الممالک کے عادلانہ قواعد وضوابط وضع کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ممکن ہے یہی قواعد وضوابط دور جدید کے قانون بین الممالک کی بنیاد ہوں اور اس کے تانے بانے اسی سے ملتے ہوں۔

﴿۳۲۸﴾ جب مغربی رومی سلطنت کا خاتمہ ۴۷۶ء میں ہوا تو مشرقی رومی سلطنت نے اس کی جگہ لے لی اور ریاست کے رئیسِ اعلیٰ کا نظریہ اس کی طرف منتقل ہوا، تاہم یہ سلطنت اپنی پیش رو سلطنت کی بہ نسبت اپنی وسعتِ نفوذ و اثر کے لحاظ سے کمزور تھی۔(۱۵) یہ دور پستی اور

---

(۱۲) الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الدولی العام، ص۵۲

(۱۳) القانون الدولی العام، جینہ، ص۵۵، القانون الدولی العام، علی ماہر، ص۵۶

(۱۴) ایضاً (۱۵) اصول القانون الدولی، ص۲۲

تاریکی کا دور تھا، جس میں قانون بین الممالک کی کوئی گنجائش نہ تھی۔(۱۶)

۸۰۰ء میں مشرقی رومی سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا تو اس کی جگہ مسیحی بادشاہت نے لے لی، جو تقریباً تمام مغربی ممالک کو محیط تھی۔ پاپائے اعظم لیون سوم کو اقتدارِ اعلیٰ سپرد ہوا، جس میں مذہبی قیادت کے ساتھ ساتھ سیاسی قیادت بھی پوپ کو حاصل تھی، اور سارے سیاسی و مذہبی حکمران پوپ کے سامنے جوابدہ تھے، چناں چہ وہاں دو قانون تھے جو اس مسیحی سلطنت میں لاگو تھے:

۱۔ سیاسی قانون ۲۔ مذہبی (کنیسہ کا) قانون

پہلا قانون سلطنت کی رعایا کے درمیان قائم تمدنی اور تجارتی تعلقات و معاہدات کی نگرانی کرتا تھا، جب کہ دوسرا قانون عقائد کی بناء پر پیش آمدہ تمام تعلقات و معاہدات کی نگرانی کرتا تھا۔ ایسے نظام حکومت کے قائم ہونے کی وجہ سے بین الممالک قانون کے موجود ہونے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔(۱۷)

یہ مقدس مسیحی بادشاہت تقریباً پانچ سو سال تک قائم رہی۔ یہ بادشاہیت انتشار اور ضعف کے عوامل چھا جانے کے بعد اپنے آخری متکبر فرماں روا فریڈرک سوم کی وفات کے ساتھ ۱۴۹۳ء میں اپنے انجام کو پہنچی۔ اس کے بعد مغرب بہت سی آزاد ریاستوں میں بٹ گیا۔ ان نوزائیدہ ریاستوں کے درمیان حد بندی اور جنگوں کے سبب متعدد معاہدات اور اختلافات ظہور پزیر ہوئے۔ ان اختلافات کے تحت ضرورت محسوس ہوئی کہ بین الممالک قانون مرتب کیا جائے جو ان تعلقات و معاہدات کو منظم کرے۔

﴿۳۲۹﴾ رومی قانون سے معلومات حاصل کرتے ہوئے علما اس کی طرف متوجہ ہوئے، تو ایک علمی تحریک وجود میں آ گئی۔ نشأۃ ثانیہ اور اصلاحِ مذہب کی تحریک نے اس کی حوصلہ افزائی کی، اس کا مقصد وہ احکام بیان کرنا تھا جن کی اتباع کرنا ریاستوں اور سربراہانِ ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ باہمی تعلقات کے قیام کی حالت میں اس علمی تحریک کو ماہرین

(۱۶) اصول القانون الدولی، ص ۲۲

(۱۷) اصول القانون الدولی، ص ۲۲

قانون بین الممالک کے جس پہلے ہراول دستے پر ناز ہے۔(۱۸)اس میں سرفہرست اٹلی کے میکیاولی اور ہالینڈ کے گروتیوس کو شامل ہیں، کیوں کہ قانون بین الممالک کے ارتقاء میں ان دونوں کا بہت بڑا کردار ہے۔

میکیاولی کی کتاب ''بادشاہ'' (The Prince) ۱۵۱۳ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اس میں شامل میکیاولی کے ان مشہور زمانہ الفاظ نے کہ ''ریاستوں کے معاملات میں اخلاقی قواعد وضوابط کو اپنانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے''، امراء وقائدین کے ہاں ایک ضابطے کی حیثیت اختیار کرلی، چنانچہ ریاستوں کے درمیان تعلقات حالتِ جنگ میں سنگ دلی، اجڈپن اور بے رحمی کی علامت بن گئے اور حالتِ صلح وامن میں دھوکے اور زیادتی کے ہم معنی بن کر رہ گئے۔

اس کے باوجود کہ میکیاولی ۱۵۲۷ء میں فوت ہوگیا، مگر مغربی حکمرانوں نے اس کے نظریات اور تعلیمات کو اپنے شخصی اور ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے اپنائے رکھا۔ اس کے نتیجے میں بہت زیادہ معرکہ ہائے جنگ برپا ہوئے، جن کی وجہ سے لوگوں میں دہشت اور انارکی و انتشار پھیل گیا، لیکن اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس صورتِ حال نے مفکرین اور علماء کو ان تعلیمات کا مقابلہ کرنے کے لیے ابھارا۔ وہ پوری جرأت کے ساتھ ڈٹ گئے اور بین الممالک قانون کو انارکی اور انتشار سے نکالنے کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

یہ مخالفانہ طرزِ عمل ولندیزی ماہر قانون گروتیوس کی کتاب ''قانون جنگ وصلح'' میں صاف نظر آتا ہے۔ یہ کتاب ۱۶۲۵ء میں منظر عام پر آئی تھی۔ یہ کتاب ان اصلاحات پر مبنی ہے جو تقریباً ان تمام تعلقات و معاہدات کو شامل ہیں جو ریاستوں کے درمیان قائم تھے۔ یہ کتاب ایک مربوط منطقی وتحقیقی ومطالعہ ہے، اور ان نظریات کی بناء پر ممتاز ومنفرد ہے، جو اس دور کے مفکرین کے ہاں لائق احترام وتکریم تھے۔ اس کتاب کے مؤلف نے پوپ کے زیر اختیار بین الممالک معاملات کے بارے میں میکیاولی کی آراء اور اس کے اقتدارِ اعلیٰ کے نظریے کی خوب خبر لی ہے۔

(۱۸) اصول القانون الدولی، ص ۲۳

اس کتاب کی اہمیت اور قانون بین الممالک میں اس کے مقام کے پیش نظر، حکومتوں نے دوصدیوں تک اپنے خارجہ تعلقات میں اسے دستور کے طور پر اپنائے رکھا۔ اس کے مؤلف کو قانون بین الممالک کا باوا آدم قرار دیا گیا۔ مغربی ماہرینِ قانون کے ہاں اس علم کے احیاء کی وجہ سے گروتیوں کا نام ایک معتبر حوالہ بن گیا۔

﴿۳۳۰﴾ ۱۶۴۸ء میں معاہدہ وسٹفالیا ہوا، جسے مغربی مؤرخین قانون بین الممالک کے حوالے سے نئے دور کا آغاز قرار دیتے ہیں، کیوں کہ حکومتوں اور ریاستوں کے درمیان تعلقات کے قیام کے لیے گروتیوس کی آراء کو عملی جامہ پہنایا گیا تھا، جس نے بین الاقوامی امور کے لیے پوپ کی سربراہانہ حیثیت اور اس کے اثر ونفوذ کا خاتمہ کر دیا تھا۔ یہ آراء مسیحی ریاستوں کے درمیان مساوات کے اصول پر مشتمل تھیں، قطع نظر ان سے کہ ان کے دینی عقائد کیا ہیں اور ان کا حکومتی ڈھانچا کیسا ہے۔ اس کی بدولت عارضی سفارتوں کی جگہ مستقل سفارتوں نے لے لی۔ بین الممالک توازن کا تصور مغرب میں تحفظِ امن وسلامتی کے ایک بنیادی وسیلے کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ اسی طرح اس نے عام قانون بین الممالک کے قواعد وضوابط کو مدون کرنے کے دروازہ کھول دیا، تاکہ پیش آمدہ معاہدات میں انھیں باقاعدہ درج کرکے ان پر عمل کیا جائے۔(۱۹)

﴿۳۳۱﴾ اس معاہدے کے بعد بین الممالک حالات مختلف ہوگئے، جنہوں نے قانون بین الممالک کی نشوونما اور اس کے وسیع امکانات پیدا کرنے میں مدد دی، چناں چہ اس کے اصول وقواعد عام ہوگئے، اس کے وجود کی ضرورت ثابت ہوگئی اور حکومتوں کے تعلقات کا فیصلہ کرنے میں اس کے قواعد نے ٹھوس شکل اختیار کر لی۔(۲۰) اس بناء پر ۱۷۸۹ء میں انقلابِ فرانس کے بعد متعدد نئی ریاستیں وجود میں آگئیں۔ اس کا سبب قومی تحریکات کا پھیلاؤ اور انیسویں صدی کے دوران میں بہت سے قبائل کا آزادی حاصل کرلینا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بین الاقوامی برادری بہت سی آزاد اور ہم پلہ ریاستوں کی صورت میں منظم ہونے لگی۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی

(۱۹) القانون الدولی العام، جنینہ، ص ۵۶

(۲۰) الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الدولی، ص ۴۹-۵۰، القانون الدولی العام، جنینہ، ص ۶۳. نیز استاذ علی ماہر، ص ۸۰، اصول القانون الدولی، حامد سلطان، ص ۲۴

قیادت وحکومت تھی، اپنی فوج تھی اور اپنے بحری بیڑے تھے۔ یہ چیز ان کے شعور میں اضافے کا سبب بنی، کیوں کہ حالتِ صلح و جنگ میں ریاستوں کے باہمی تعلقات کو منظم کرنے کے لیے خاص قواعد وضوابط کی ایجاد ان کی مجبوری تھی۔

آزاد ریاستوں کی کثرت اور ان کے تعلقات کو منظم کرنے والے قانون کی ضرورت کا نتیجہ یہ نکلا کہ قانون قواعد کی تنظیم، بین الاقوامی معاہدات اور ان کی تدوین کی غرض سے بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد ہونے لگیں۔ جنیوا کانفرنس منعقدہ ۱۸۶۴ء میں بری جنگ کے قواعد وضع کیے گئے۔ لاھائے کی کانفرنسیں منعقدہ ۱۸۸۹ء و ۱۹۰۷ء مختلف امور سے متعلق سولہ بین الاقوامی معاہدات پر اختتام پزیر ہوئیں، جو ان بعض معاہدات کے علاوہ تھے جن میں علیحدہ ہونے والوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا تھا، مثلاً معاہدۂ پیرس منعقدہ ۱۹۵۶ء۔(۳۱)

﴿۳۳۲﴾ جب یورپ میں صنعتی انقلاب کا دور شروع ہوا تو ان ملکوں کو مختلف قسم کا جنگی اسلحہ بنانے کا موقع ملا۔ ان میں سے بعض ملکوں کو اس وقت کمزور قوموں کی آزادی سلب کر کے انھیں طوقِ غلامی پہنانے کے مواقع میسر آئے۔ طاقتور ملکوں کے درمیان اثر ونفوذ اور اہمیت کے حامل خطوں پر قبضے کے لیے جنگیں ہوئیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ دورِ جدید کی متعدد عالمی اور مقامی جنگیں بنیادی طور پر ان اسباب کا نتیجہ ہیں، جن کے پس منظر میں استعمار کی توسیع پسندی، بالخصوص ایشیاء اور افریقہ کی پس ماندہ اور کمزور قوموں کے بہترین وسائل اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کرنے کی روح کارفرما ہے۔ یہ سب کچھ ہو چکا تو یہ ملک ایسے نئے بین الممالک معاہدات طے کرنے کے لیے مجبور ہوئے، جو دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔ اس سلسلے کا اہم ترین معاہدہ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر ۱۹۱۹ء میں طے پایا۔ یہ پہلے بین الاقوامی اجتماع کے نتیجے میں وجود میں آیا اور اس کے تحت "جمعیت اقوام" (League of Nations) وجود میں آئی۔

اس تنظیم کی جنرل کونسل نے قانون بین الممالک کی تدوین کے لیے کوشش کی۔ اس غرض کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس نے ۱۹۲۷ء میں تنظیم کے سامنے اپنی رپورٹ پیش

(۳۱) القانون الدولی العام، جنینہ، ص ۶۸

کی۔ یہ رپورٹ ان مختلف موضوعات پر مشتمل تھی، جنھیں اس کمیٹی نے تدوینِ قانون کے لیے درست قرار دیا تھا۔ موضوعات یہ تھے: شہریت، علاقائی سمندر، کسی ملک کا ان نقصانات کے سلسلے میں جواب دہ اور ذمہ دار ہونا جو بیرونی اشخاص اور ان کے اموال کو اس کی حدود میں لاحق ہوں، ڈپلومیسی کے امتیازات وتحفظات، بین الاقوامی کانفرنسوں کی کارروائیاں، منعقدہ معاہدوں اور ان کے خاکوں کا اجراء بحری قزاقی اور سمندری پیداوار سے حصولِ منافع۔(۲۲)

جمعیتِ اقوام نے لاھاے میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں ارکان کی شرکت کو لازم قرار دیا۔ اس کا مقصد کمیٹی کی رپورٹ میں مذکور پہلے تین موضوعات پر قوانین کی تدوین تھی۔ یہ کانفرنس ۱۹۳۰ء میں منعقد ہوئی، لیکن یہ کانفرنس علاقائی سمندروں کے معاملے اور اپنی حدود میں بیرونی افراد کے بارے میں حکومتوں کی ذمہ داری کے بارے میں کسی متفق علیہ نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔

﴿۳۳۳﴾ دوسری عالمی جنگ کے بعد ۱۹۴۵ء میں معاہدۂ سان فرانسسکو طے پایا، جس کے تحت انجمن اقوام متحدہ (UNO) کا قیام عمل میں آیا، جس نے ''جمعیت اقوام'' کی جگہ لے لی۔ معاہدہ اقوام متحدہ کے باب ۱۳، پیراگراف ۱ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جنرل کونسل علمی تحقیقات کو فروغ دے گی، سیاسی میدان میں بین الاقوامی تعاون کو فروغ دینے کی غرض سے سفارشات مرتب کرے گی، بین الاقوامی قانون اور اس کی مسلسل ترقی وفروغ کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ اسی وجہ سے جنرل کونسل نے ''کمیٹی برائے قانون بین الممالک'' کو تاکید کی کہ وہ قانون بین الممالک سے متعلق مختلف موضوعات پر بحث وتحقیق جاری رکھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توپ وتفنگ اور ایٹمی دور میں حکومتوں کے مفادات کی پیچیدگی اور باہمی تعارض نے بڑی تیزی سے مسلسل نئے نئے حالات ومسائل کو جنم دیا اور تسلسل کے ساتھ باہمی مخالفت وعہد شکنی کا عادی بنا دیا۔ اس پر مستزاد، دو عالمی طاقتوں کی موجودگی نے جو فکری اور اقتصادی لحاظ سے پوری دنیا پر غلبہ وتسلط جمانے کے لیے ایک دوسرے سے برسر پیکار تھیں، اس ساری صورت حال میں عام قانون بین الممالک کے وضع کرنے کو، اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور بنا دیا تھا۔ ایسا قانون جو تمام حکومتوں کے لیے واجب العمل ہوتا، اس سے قبل کہ کوئی

(۲۲) اصول القانون الدولی، ص ۲۵

ایسی بین الاقوامی قوت ہوتی جو اس قانون کے احترام کو ملحوظ نہ رکھنے والے پر فرد جرم عائد کرتی۔(۲۳)

﴿۳۳۴﴾ یہ قانون بین الممالک کی تاریخ کا مختصر اور عمومی جائزہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس قانون کے وہ کون سے قواعد وضوابط یا اصول ہیں، جن تک اس قانون کے ماہرین نے رسائی حاصل کی، اور ان کے بارے میں خیال کیا کہ یہ مختلف ممالک کے حقوق کی حفاظت کر سکتے ہیں، ظلم و زیادتی کو روک سکتے ہیں اور امن و سلامتی کے تحفظ کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ماہرینِ قانون ان اساسیات کے بارے میں باہمی مختلف نقطۂ نظر کے حامل ہیں، جن پر یہ قواعد مبنی ہیں۔ اسی وجہ سے اس بارے میں مختلف و متضاد نظریات وجود میں آئے۔ ہر ماہرِ قانون نے ایک خاص زوایۂ نگاہ سے اس موضوع پر غور کیا ہے، اس لیے مختلف نظریاتِ نظریۂ قواعد اخلاق، بین الاقوامی معاملات کا نظریہ، عمومی انفرادی رضا مندی اور عام اجتماعی رضا مندی کا نظریہ، فطری قانون کا نظریہ، تحریری معاہدات کی شرائط سے وجود میں آنے والے وضعی قانون کا نظریہ، قومیت و شہریت کا نظریہ اور دین مسیحیت کا نظریہ سامنے آئے ہیں۔(۲۴)

قانون بین الممالک کے نظریات اور اس کے قواعد

﴿۳۳۵﴾ ماہرینِ قانون کے اس اختلاف کے باوجود ان کا اس امر پر تقریباً اجماع و اتفاق ہے۔(۲۵) کے عرف، رواج اور معاہدات، دونوں عام قانون بین الممالک کے اہم مصادر و مآخذ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قانونی ضابطہ ضرورت و حاجت کی صورت میں وجود میں آتا ہے۔ اگر اس کا وجود بار بار اسے استعمال میں لانے کے طریق سے ثابت ہو تو عرف اس کا مصدر بن جائے گا اور اگر اس کا وجود کسی معاہدے کے انعقاد کی صورت میں ثابت ہو تو اس حالت میں وہ معاہدہ اس کا مصدر و مآخذ ہوگا۔

---

(۲۳) اصول القانون الدولی، ص ۲۵، الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الدولی، ص ۴۷

(۲۴) الشریعۃ الاسلامیہ والقانون الدولی، ص ۷۹

(۲۵) اصول القوانین، احمد کامل موسیٰ وسید مصطفیٰ، ص ۹۲، اصول القانون الدولی، ص ۲۸، القانون الدولی العام، علی ماہر، ص ۳۸، القانون الدولی العام، محمود سامی جنینہ، ص ۴۲

﴿۳۳۶﴾ عام قانون بین الممالک کی تعریف بعض ماہرین قانون یوں کرتے ہیں(۲۶) کہ یہ ان اساسی قواعد وضوابط کا نام ہے جن کا احترام کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں تمام متمدن ممالک شامل ہوتے ہیں۔ اس تعریف میں اگرچہ اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ متمدن ممالک اور قومیں ان قواعد وضوابط کا احترام کریں گی اور ان پر عمل کرنے کی پابند ہوں گی، مگر عملی صورت حال سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ابھی تک حکومتیں عملی طور پر قانون بین الممالک کو اپنانے پر متفق نہیں ہیں، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمیشہ عسکری اور اقتصادی طاقت وقوت کی منطق ہی قانون بین الممالک کے بارے میں حکمرانی اور من مانی کرتی رہی ہے۔

اس کے برعکس جدید ترین بین الاقوامی تنظیم، یعنی انجمن اقوام متحدہ نے ۲۱نومبر ۱۹۴۷ء کو اپنے ذیلی ادارے ''کمیٹی برائے قانون بین الممالک'' کا اجلاس حکومتوں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کے اعلان کے منصوبے کی تیاری کے لیے بلایا، تاکہ ایسا قانون بن جائے جس کی پابندی حکومتیں حالتِ امن و جنگ میں کرسکیں۔

اس کمیٹی نے اپنا مسودہ ۱۹۴۸ء میں جنرل اسمبلی کے سامنے پیش کیا، جس نے اسے درست قرار دیا اور اسے رکن ممالک کی طرف ارسال کر دیا گیا، تاکہ ہر ملک اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔ اس مقصد کے لیے جولائی ۱۹۵۰ء تک کی مدت مقرر کی گئی تھی، تاہم کسی ملک نے اس کے خلاف کسی ردّعمل کا اظہار نہیں کیا۔

ریاستوں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں

﴿۳۳۷﴾ چوں کہ یہ مسودہ اس تازہ ترین صورت حال کا آئینہ دار ہے جس تک بین الاقوامی قانون فکر نہ ملکوں کے درمیان تعلقات کی تنظیم کے ضمن میں رسائی حاصل کی ہے اور ملکوں کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کیا ہے، اس لیے میں نے عام قانون بین الممالک کے اصولِ وضعیہ کے سلسلے میں اسی پر اکتفاء کرنا مناسب سمجھا ہے۔

مذکورہ مسودہ چار عنوانات کے تحت حکومتوں کے حقوق کی وضاحت کرتا ہے، جب کہ حکومتوں کی ذمہ داری پر گفتگو کے لیے اس عنوانات مختص کیے گئے ہیں۔ اس طرح اس مسودے

(۲۶) الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الدولی، ص۸۳

سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بین الاقوامی امن اور سلامتی بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد کرتی ہے، نیز عالمی معاشرے کے امن و استقرار کی خاطر حکومتوں پر لازم ہے کہ وسائل بروئے کار لائیں اور قربانی دیں۔ حکومتوں کے حقوق سے متعلق دفعات یہ ہیں:

دفعہ نمبر۱: ہر ملک کو آزاد رہنے اور اپنی امتیازی خصوصیات کو عملی جامہ پہنانے کا حق حاصل ہے۔ طریقِ حکومت کے انتخاب کی اسے پوری آزادی حاصل ہے۔

دفعہ نمبر۲: ہر ملک اور حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی حدود میں موجود تمام اشخاص اور اشیاء کے بارے میں اپنے عدالتی فیصلے جاری کرے۔

چناں چہ یہ دفعات ہر ملک کے لیے آزادی، اپنی حدود میں عدالتی نظام قائم کرنے، دوسرے ممالک کے ساتھ مساوی حیثیت رکھنے، اپنی آزادی اور اپنی سیادت وحکمرانی کے تحفظ اور اپنے خلاف ہونے والی ہر قسم کی جارحیت کے دفاع جیسے حقوق کو لازم قرار دیتی ہیں۔ یہ چاروں حقوق ایسے ہیں جن پہ قانون بین الممالک کے ماہرین کا اتفاق ہے، خواہ وہ طبعی قانون کے ماہرین ہوں یا وضعی کے۔(۲۷)

حکومتوں اور ممالک کی ذمہ داریوں کا تعین کرنے والی دفعات درج ذیل ہیں:

دفعہ نمبر۳: ایک ملک دوسرے ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کے ضمن میں قانون بین الممالک کے احکام کا لحاظ کرے گا۔

دفعہ نمبر۴: بین الممالک اختلاف کو صلح و آشتی کے ذرائع اور قانون بین الممالک کے مطابق ختم کرنا۔

دفعہ نمبر۵: ہر ملک دوسرے ممالک کے ساتھ قانون مساوات کا حق رکھتا ہے۔

دفعہ نمبر۶: دوسرے ممالک کے داخلی یا خارجی معاملات میں دخل اندازی نہ کرنا۔

دفعہ نمبر۷: کسی بھی ایسی حکومت یا ملک سے تعاون نہ کرنا جو جنگ کے لیے مجبور کر رہا ہو، یا طاقت کو غیر قانونی طور پر استعمال کر رہا ہو، یا جس کے خلاف اقوام متحدہ قانونی کارروائی کرے۔

دفعہ نمبر۸: کسی ملک کی علاقائی حدود میں اضافے کو تسلیم کرنے سے باز رہنا، جو کسی ملک سے

(۲۷) الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الدولی، ص۱۷۲

جنگ کے نتیجے میں حاصل ہوا ہو، یا کسی غیر قانونی طاقت کے استعمال کا نتیجہ ہو۔

دفعہ نمبر۹: دوسرے ممالک کی حدود میں مقامی انقلابات اور تحریکوں کی حوصلہ افزائی سے باز رہنا۔

دفعہ نمبر۱۰: ہر ملک کی طرف سے اس بات کی ضمانت دینا کہ اپنے ملک میں حالات کو اس طرح کنٹرول کیا جائے گا کہ یہ حالات امن وسلامتی اور بین الممالک نظام کے لیے چیلنج نہ بنیں۔

دفعہ نمبر۱۱: اپنی ریاست کے تحت رہنے والے تمام اشخاص کے ساتھ حقوق انسانی، قومیت، زبان، مذہب یا جنس سے بالاتر ہوکر، ان سب کو حاصل بنیادی آزادی کے احترام کی بنیاد پر معاملہ کیا جائے۔

دفعہ نمبر۱۲: ہر ملک کو مسلح جارحیت کے خلاف انفرادی یا اجتماعی دفاع کا قانون حق حاصل ہے۔(۲۸)

دفعہ نمبر۱۳: ایک ملک خلوصِ نیت کے ساتھ معاہدات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اپنی ذمہ داریوں اور دیگر قانون بین الممالک کے مصادر کو نافذ کرے۔

دفعہ نمبر۱۴: جنگ یا کسی بھی غیر قانونی طاقت کے استعمال کا سہارا نہ لینا۔(۲۹)

﴿۳۳۸﴾ یاد رہے کہ یہ سارے کا سارا مواد اور مبحث درج ذیل دو اُمور پر مبنی ہے:

اوّل: تسلط یا توسیع پسندی کے لیے جنگ کو ذریعہ بنانا، اور بین الاقوامی مسائل و مشکلات کے حل کے لیے صلح و آشتی کے ذرائع کی طرف دعوت۔

دوم: ہر ملک کی قیادت کا احترام کرنا، قومیت، نسل یا عقیدے کا لحاظ کیے بغیر انسان کا احترام کرنا، پورے اخلاص اور ایمانِ صادق کے ساتھ ان اصول وضوابط کو نافذ کرنا، انسانیت کو بہت سی مشکلات اور خطرات سے تحفظ فراہم کرسکتا ہے اور شرفِ انسانی کے لیے ہر قسم کی ذلت و رسوائی اور طوق غلامی کا خاتمہ کرسکتا ہے، مگر اس کے باوجود اس مسودے کو ملکوں کے ہاں کیوں درجۂ قبولیت حاصل نہیں ہوا؟ یا صحیح ترین الفاظ میں حکومتیں اور ممالک اس کے بارے میں اپنی رائے دینے سے کیوں باز رہے؟ دوسرے لفظوں میں یہ طرزِ عمل اس مسودے کو مسترد کرنے کے مترادف ہے۔ بالخصوص اس لحاظ سے کہ وہ قومیں اس ہولناک اور تباہ کن عالمی جنگ کے قریب العہد تھیں، جس نے انسانیت سے لاکھوں جانوں اور بے پناہ اموال کی قربانیاں لی تھیں۔

---

(۲۸) اصول القانون الدولی، ص ۵۷۶

(۲۹) اصول العلاقات الدولیۃ، ص ۵۷۵

قانون بین الممالک کے بعض ماہرین(۳۰) کا خیال ہے کہ ممالک کا اس مسودے کو مسترد کرنا، اس کے خاکے اور ڈھانچے کے لحاظ سے تھا، نہ کہ اس کے مضمون کے لحاظ سے۔ اس کے باوجود اس مسودے کے بارے میں ملکوں کا یہ موقف ہمیشہ غیر مقبول رہا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عادلانہ بین الممالک امن کے بارے میں بعض ممالک جذبۂ صادق سے عاری ہیں، بالخصوص بڑی طاقتیں۔ اگر بڑی طاقتیں اس مسودے کو قبول کرنے میں سنجیدہ ہوں تو دیگر چھوٹی چھوٹی قوتوں کو اسے تسلیم کرنے پر مجبور کرسکتی ہیں۔

﴿۳۳۹﴾ یہ مسودہ اپنی وضاحت کے مطابق بین الممالک تنازعات کے سلسلے میں قوت کے عدم استعمال پر مبنی ہے۔ دراصل وہ صرف یہ کوشش کرتا ہے کہ معاہدہ اقوام متحدہ تنفیذ کا مقام حاصل کرلے، کیوں کہ یہ معاہدہ ہر لحاظ سے جدید ترین اصول وضوابط پر مبنی ہے، جو بین الممالک تعلقات میں پیش آسکتے ہیں، مثلاً قوت کے عدمِ استعمال کا ضابطہ اور اجتماعی امن کا ضابطہ(۳۱) وغیرہ

اقوام متحدہ کے معاہدے کے باب دوم، پیرا گراف۔۴ میں درج ذیل وضاحت کی گنجائش ہے:

> اس ادارے کے تمام رکن ممالک اپنے بین الاقوامی تعلقات میں قوت کے استعمال یا اراضی کی سلامتی کے خلاف اسے بروئے کار لانے یا سیاسی آزادی کے خلاف قوت کے استعمال کے ذریعے دھونس اور دھاندلی سے باز رہیں گے، یا اس کے علاوہ کسی بھی صورت میں جو اقوام متحدہ کے مقام کے مقاصد کے منافی ہو۔

اسی طرح اس معاہدے کے باب اول، پیرا گراف۔۱ میں درج ذیل وضاحت کی گئی ہے:

> اقوام متحدہ کے مقاصد میں سے اولیں مقصد قوموں کے امن وسلامتی کے تحفظ کو یقینی بنانا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے یہ ادارہ مشترکہ عملی تدابیر اختیار کرے گا، تاکہ ان اسباب کا سدِ باب کیا جاسکے جو امن و

(۳۰) یہ بات ڈاکٹر حسن حلبی کے ساتھ خصوصی گفتگو میں معلوم ہوئی۔

(۳۱) القانون الدولی العام، حسن الحلبی، ص ۱۶۵

سلامتی کے لیے چیلنج ہوں۔ ظالمانہ کارروائیوں اور امن کے منافی ہر قسم کے دیگر اقدامات کا قلع قمع کیا جائے گا، عدل و انصاف اور قانون بین الممالک کے ضوابط کے مطابق بین الممالک تنازعات جو امن و سلامتی میں خلل اندازی کا باعث ہوں، یا اس کی راہ ہموار کرنے میں رکاوٹ ہوں، حل کرنے کے لیے امن وآشتی پر مبنی ذرائع و وسائل کو کام میں لایا جائے گا۔(۳۲)

جنگ : دورِ حاضر کے قانون بین الممالک میں

﴿۳۴۰﴾ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جنگ، جو دوسری عالمی جنگ سے پہلے قانونی طور پر جائز تھی، اب وہ اس جنگ کے بعد قانونی لحاظ سے ممنوع قرار پائی ہے، لیکن شومئی قسمت کہ دنیا کے مختلف خطوں میں انسانیت ظلم و جبر پر مبنی جنگوں کی آگ میں جلتی رہی ہے اور جل رہی ہے۔ ہمیشہ قوت کی منطق کا ہی ملکوں اور سلطنتوں کے تنازعات کے خاتمے میں فیصلہ کن قائدانہ کردار رہا ہے۔ چھوٹی یا کمزور ریاستیں دہشت گردی اور دباؤ کا شکار رہیں۔ تیسری عالمی جنگ کا خوف ہمیشہ چھایا رہا کہ اگر وہ برپا ہوگئی تو نہ کوئی انسان زندہ باقی رہے گا اور نہ نباتات محفوظ رہیں گی، جنگ ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے کر بھسم کر دے گی۔ اس ساری بھیانک صورتِ حال کی ذمہ داری دورِ حاضر کی مادر پدر آزاد مادہ پرستانہ تہذیب پر عائد ہوتی ہے، جس نے غلبہ وتسلط جمانے کی خاطر زندگی کو اقوام وممالک کے درمیان نہ ختم ہونے والی کشمکش میں بدل دیا ہے۔ اس کی ذمہ داری ان وضع قوانین (انسانوں کے خود ساختہ قوانین) پر بھی عائد ہوتی ہے جن کا رشتہ سیاست دانوں اور حکمرانوں کے ضمیروں سے کٹا ہوا ہے اور جن کے ہاں یہ قوانین کسی احترام اور قدر ومنزلت کے مستحق نہیں ہیں۔ ان احکام پر وہ اس وقت تک عمل نہیں کرتے جب تک ان کے مفادات کا تقاضا نہ ہو۔ گویا قوانین ان کے تابع ہیں، نہ کہ وہ قوانین کے تابع۔

﴿۳۴۱﴾ جہاں تک خاص قانون بین الممالک کا تعلق ہے تو وہ جیسا کہ اس کی تعریف میں گزر چکا ہے۔(۳۳) بیرونی عناصر پر مشتمل افراد کے عدالتی فیصلوں کو محیط ہے، یعنی وہ

(۳۲) دیکھیے: میثاق الامم المتحدۃ (عربی ترجمہ) (۳۳) دیکھیے: اقتباس ۲۲۴

مقدمات جن کا ایک فریق کسی بھی شکل میں کسی اجنبی ملک سے تعلق رکھتا ہو، مثلاً دو مصری باشندے اپنے کسی مالک کے بارے میں باہمی جھگڑا کرتے ہیں جو اٹلی میں موجود ہے، یا ایک مصری اور غیر مصری کا باہمی جھگڑا ہو، یا ایک ہی شہریت کے حامل دو بیرونی آدمیوں کا جھگڑا ہو، یا دو مختلف شہریتوں کے حامل افراد اپنا مقدمہ مصری عدالت کے سامنے پیش کریں۔(۳۴)

ماہرین قانون کے درمیان ان مقدمات کی نوعیت کے بارے میں اختلاف ہے، جو خاص قانون بین الممالک دائرے میں آتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کے دائرے میں صرف دیوانی مقدمات آتے ہیں نہ کہ فوجداری مقدمات، فوجداری مقدمات عام قانون بین الممالک کے ساتھ مخصوص ہیں، جب کہ کچھ دوسرے قانون دان حضرات کی رائے یہ ہے کہ فوجداری مقدمات بھی خاص قانون بین الممالک کے ذیل میں آتے ہیں۔(۳۵)

اس قانون کے بذات خود مستقل علم ہونے کے لحاظ سے بھی نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، چناں چہ ماہرین قانون کا خیال ہے کہ خاص قانون بین الممالک بذات خود مستقل علم ہے، جب کہ بعض کا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے، مثلاً انگریزوں کا خیال ہے کہ خاص قانون بین الممالک تمام ممالک کے لیے ایک ہی مشترک قانون کے لحاظ سے موجود نہیں ہے، لہٰذا ان کے نزدیک اس سے مراد کسی ملک کے داخلی قوانین ہیں۔ (جاری ہے)

مفتی محمد امین صاحب کی کتاب

عقیدة ختم النبوة

کی گیارہویں جلد شائع ہوگئی ہے

اور ملک کے تمام معیاری مکتبات پر دستیاب ہے

ناشر ادارہ تحفظ عقائد اسلامیہ آفس نمبر ۵ پلاٹ نمبر Z-111 عالمگیر روڈ کراچی